

Tarseel, Vol.18 (ISSN: 0975-6655)

A Peer Reviewed Research Journal of Urdu

Listed in UGC-CARE

Directorate of Distance education,

University of Kashmir

جمیلہ خدا بخش - شخصیت اور شاعری

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی

تلخیص

اردو شعر و ادب کی ترقی میں دبستان بہار کی خدمات کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ابتدا سے ہی اس سرزمین نے ایسے تخلیق کاروں کو جنم دیا ہے جنہوں نے اپنی صلاحیتوں سے اردو شعر و ادب میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اس حوالے سے جہاں مرد تخلیق کاروں کے نام گنائے جاسکتے ہیں وہیں خواتین تخلیق کاروں کی نشاندہی بھی از حد لازمی ہے۔ جمیلہ خدا بخش انہیں خواتین تخلیق کاروں کی فہرست میں شامل ایک اہم نام ہے۔ موصوفہ کے اب تک کم و بیش آٹھ شعری مجموعے منظر عام پر آئے ہیں جو فکری و فنی اعتبار سے ادبی حلقوں میں اپنی معنویت منوا چکے ہیں۔ زیر نظر تحقیقی مضمون میں موصوفہ کی شعری کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مضمون دبستان بہار کے ساتھ ساتھ اردو کے شعری سرمایے میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگا۔

کلیدی الفاظ:

تخیل، مرشد، کتب بنی، عقیدت، آفاقیت، کلاسیک، وجدانی پہلو، صوفیانہ نوعیت، تصوف

اس کا ہر برگ آئینہ روئے چمن آرا کا ہے
دیدنی ہے یہ چمن گرہم نظر پیدا کریں

راخ عظیم آبادی کا یہ شعر دبستان بہار پر بالکل صادق آتا ہے جہاں شعر و ادب کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرنے والے مرد و خواتین کی تعداد ہر دور میں نہ صرف معتد بہ رہی ہے بلکہ ان میں سے اکثر نے اردو ادب کی تاریخ میں اپنے نمایاں دستخط بھی ثبت کئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے بہار کے شعر کے مقابلے میں شاعرات پر کم توجہ دی ہے۔ راسخ سے جمیل مظہری تک ہم نے تقریباً سبھی شاعروں کی پذیرائی کی مگر بی بی ولیہ امجھری، حمیدہ گیاوی، غریب عظیم آبادی، نکہت بھاگھلپوری، کیلتا عظیم آبادی، رضیہ رعنا، نسیمہ سوز اور مخفی مظفر پوری وغیرہ کی شعری خدمات کا کھلے دل سے اعتراف بھی نہیں کیا۔ شاد عظیم آبادی اور ان کے شاگردوں میں بسمل عظیم آبادی، یاس یگانہ چنگیزی، بیتاب عظیم آبادی اور عطا کوی پرتو ہم نے خوب زور قلم صرف کیا مگر انہیں کی شاگردہ اور اُس عہد کی بہترین شاعرہ جمیلہ خدا بخش، جن کی قادر الکلامی پر ہر خاص و عام رشک کرتا تھا اور جن کے آٹھ آٹھ دووین آج بھی دستیاب ہیں، اُن کی شاعری کو بہت کم موضوع گفتگو بنایا گیا۔ اس کی بہت ساری وجوہات شمار کروائی جاسکتی ہیں، مگر اس کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے خواتین شاعرات کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔

تاریخ اردو ادب مشہور افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور شاعر شفیع مشہدی صاحب کی ممنون رہے گی جنہوں نے جمیلہ خدا بخش کے دووین اور مثنوی کے قلمی مسودات کی نہ صرف ترتیب و تدوین کی بلکہ انہیں اردو دنیا سے متعارف کرانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ مثنوی ”احسن المطالب“ اور ”نغمہ دل ریش، جمیلہ درویش“ کے عنوان سے ایک دیوان کی اشاعت بھی موصوف کے مقدمے اور تعارف کے ساتھ خدا بخش لائبریری کے زیر اہتمام ہو چکی ہے۔ جناب شفیع مشہدی صاحب کے تحریر کردہ تعارف اور جمیلہ خدا بخش کی مختصر آپ بیتی سے پتہ چلتا ہے کہ راضیہ خاتون جمیلہ کی پیدائش کلکتہ میں ۱۸۶۱ء میں ہوئی تھی اور وفات ۱۹۲۱ء میں پٹنہ میں ہوئی۔ جناب فصیح الدین بلخی نے اپنی کتاب ”تذکرہ نسوان ہند“ کے صفحہ ۱۱۷ پر جمیلہ کے والد کا نام ”خان بہادر تکی رئیس کلکتہ“

لکھا ہے، جو درست نہیں ہے۔ جمیلہ کی خودنوشت آپ بیتی اور ان کے دیوان ”نغمہ دل ریش، جمیلہ درر ویش“ کے ٹائٹل صفحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام مولوی کبیر الدین احمد تھا اور خدا بخش مرحوم (موسسِ خدا بخش لائبریری) سے شادی کے بعد آپ پٹنہ تشریف لائیں۔ آپ خدا بخش خاں صاحب کی تیسری اہلیہ تھیں مگر ایک وفا شعار اور نیک دل خاتون کی حیثیت سے خدا بخش خاں کے دل میں خاص جگہ رکھتی تھیں۔ انہوں نے آخری وقت تک ایک مشرقی خاتون کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اپنے شوہر کی صدق دل سے خدمت کی اور مشکل دنوں میں، علالت و عسرت اور تہی دستی کے زمانے میں، جبکہ کہا جاتا ہے کہ ان کی اولاد نے بھی بے توجہی اختیار کر لی تھی، حق رفاقت ادا کیا اور ان کے لیے دعائے صحت و عافیت کرتی رہیں۔ چنانچہ ایک دعائے نظم میں وہ کہتی ہیں۔

جلوہ تو اس پہ ڈال دے اپنے جمال کا	اس تیرگی بخت سے دن ہیں مرے سیاہ
پُرساں نہیں ہے کوئی بھی اب اس کے حال کا	شوہر مرا ضعیف ہے مجبور ہے شہا
موقع نہیں ہے جن سے ذرا قیل و قال کا	اولاد ہیں جو پاس وہ ہیں اس کے برخلاف
اندیشہ کچھ نہیں انہیں میرے ملال کا	نفسانیت سے قرب ہے، انسانیت سے بعد
کچھ تو خیال ہوا نہیں اپنے مال کا	سلطان ہند دیجیے توفیق ٹھیک انہیں
انداز کچھ نیا ہے زمانے کی چال کا	مقروض ہوں غریب ہوں معذور بے نوا
پرساں نہیں ہے بھائی کوئی اس کے حال کا	اک طفل میرا اپنا ہے اے میرے دستگیر
پرساں نہیں ہے تیرے سوا اس کے حال کا	بے کس جمیلہ آئی ہے در پر ترے شہا

راضیہ خاتون ایک باوقار علمی گھرانے کی چشم و چراغ تھیں۔ ان کے گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ اسی کے زیر اثر زیادہ تعلیم حاصل نہ کر پانے کے باوجود علم و ادب سے گہرا لگاؤ رکھتی تھیں۔ شادی کے بعد خدا بخش خاں نے ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی اور ان کے علمی ذوق و شوق بالخصوص ذوق شاعری کو پروان چڑھانے میں پورا تعاون دیا۔ چونکہ خدا بخش اعلیٰ پائے کے ادیب تھے، شاعری کرتے تھے اور تخلص جمیل اختیار کر رکھا تھا۔ اس لیے بعض حضرات جمیلہ خاتون کی شاعری کو خدا بخش خاں کا نتیجہ بھی گمان کرتے ہیں۔ مثلاً معروف ناقد و محقق پروفیسر وہاب اشرفی نے تاریخ ادب اردو میں جمیلہ کے شعری اوصاف کا اعتراف تو کیا ہے مگر مذکورہ شبہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”مجھے یہاں اس کا احساس ہوتا ہے کہ جملہ جس طرح کی شاعری کرتی ہیں وہ معمولی درجے کی چیز نہیں۔ لہذا اساتذہ نے ان کی خاصی مدد کی ہوگی۔ یہ گمان اس لیے بھی ہوتا ہے کہ ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اپنا شعر ہی سمجھ نہیں پاتیں اور اس کی تعبیرات کے لئے دوسروں سے رجوع کرتی ہیں۔ پھر ایک الجھن اور ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا بخش خاں خود شاعر تھے، لیکن نہ تو ان کا کہیں کلام ملتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مخطوطہ لائبریری میں موجود ہے۔ ایسا تو نہیں کہ موصوف نے اپنا کلام بھی اپنی چہیتی بیوی کے کلام میں ضم کر دیا۔ یہ بھی ایک معرہ ہے کہ قاضی عبدالودود جیسے محقق نے جملہ پر کچھ نہیں لکھا، وجہ سمجھ میں نہیں آتی“۔

میرے خیال میں یہ گمان سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ جملہ کی شاعری میں اپنے پیر و مرشد اور غوث اعظم محی الدین قادر جیلانی علیہ الرحمہ سے عقیدت و محبت کے جو جذبات ملتے ہیں اور ان کے اظہار میں جو صداقت اور والہانہ پن ہے وہ جملہ کی شخصیت سے ہی میل کھاتا ہے۔ جناب شفیع مشہدی اور ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری نے بھی اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جملہ خاتون کو خدا بخش خاں نے شاد عظیم آبادی سے مشورہ سخن کی جانب مائل کیا اور چونکہ اُس زمانے میں خواتین سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، اس لیے وہ بہ نفس نفیس جملہ کی غزلیں شاد تک بغرض اصلاح لے جاتے تھے اور واپس لاتے تھے۔ داغ دہلوی سے بھی جملہ کی شاعری کے متعلق خط و کتابت کرتے تھے اور جملہ کی حوصلہ افزائی کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے۔ یہ جملہ سے ان کی محبت ہی ہے کہ انہوں نے اپنا کلام محفوظ رکھنے پر کوئی توجہ نہیں دی مگر جملہ کا سارا سرمایہ ادب خدا بخش لائبریری میں محفوظ کرا گئے۔

جملہ خدا بخش نے اپنا تخلص پہلے خاتون اور راضیہ اختیار کیا۔ اس لیے دیوان میں بہت سارا کلام انہیں دونوں تخلص کے ساتھ ملتا ہے۔ مثلاً۔

یہ عشق غوث پاک نہیں خام راضیہ
مجھ کو یقین ہے یہ کوئی گل کھلائے گا

جالی پکڑ کے شاہ کی خاتون کہوں گی میں
لے تو خبر مری کہ میں آفت رسیدہ ہوں

یا

مگر بعد میں انہوں نے اپنا تخلص جمیلہ اختیار کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پیر و مرشد شاہ جمال الدین تھے جو جمیل تخلص کیا کرتے تھے، لہذا انہوں نے اپنا تخلص جمیلہ رکھ لیا۔ لیکن کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ جمیلہ مولانا مرشد علی جیلانی و بغدادی سے بیعت تھیں۔ بغدادی بھی شاعر تھے اور جمال تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ترغیب دی کہ وہ جمیلہ تخلص کریں۔ جناب شفیع مشہدی نے ثانی الذکر روایت کی ہی تصدیق کی ہے۔

جمیلہ خاتون ایک مذہبی خاتون تھیں۔ صوم و صلوة کی پابند تھیں۔ مزاج صوفیانہ پایا تھا۔ انہیں خلفائے راشدین بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور صوفیائے کرام بالخصوص حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت تھی۔ غالباً یہی عقیدت انہیں شاہ مرشد علی جیلانی بغدادی تک لے گئی۔ انہوں نے جمیلہ کی روحانی تربیت کے علاوہ ادبی ذوق کی آبیاری بھی کی، جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی آپ بیتی کے علاوہ مختلف اشعار میں بھی کیا ہے۔ ان کی آپ بیتی سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جس سے جمیلہ کی شخصیت زیادہ بہتر طور پر سامنے آتی ہے:

”شرفا کے یہاں لڑکیوں کی جو تعلیم دی جاتی ہے اس سے میں بھی محروم نہ رہی۔ قرآن شریف اور اردو میں چند مذہبی کتابیں، یہی وہ ذخیرہ علم تھا جو میکے سے لے کر سسرال چلی۔ کتابیں تھوڑی سی پڑھی تھیں مگر کتب بنی کاچسکہ پڑچکا تھا۔ سسرال پہنچ کر نئی سے پرانی بھی نہ ہو پائی تھی کہ مجھ سے سوت پروری کی فرمائش کی گئی۔ شوہر کی رضا جوئی اور اطاعت فرض تھی۔ میں اٹھی اور خود جا کر بی بی صاحبہ کو لے آئی اور انتظام خانہ داری ان کے سپرد کر دیا۔ گھر کرنے سے سبکدوش ہونا تھا کہ شوق کتب بنی از سر نو چرایا، ایک بہن کی ملاقات کو جانا ہوا۔ انہوں نے بھی ایک غزل دکھا کر کہا کہ دیکھو میں نے اسے تصنیف کیا ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے شوہر نے یہ غزل لے کر بی بی کے نام کا مقطع لگا دیا تھا۔ بہر کیف بہن کی غزل نے میرے دل کو طومار حسرت بنا دیا۔ یہی خیال رہ رہ کر ستاتا تھا کہ آخر تو نے بھی تو کچھ شد بد کر لیا ہے۔ تو بھی غزل لکھ سکتی ہے پھر لکھتی کیوں نہیں۔ اسی ادھیڑ بن میں واپس آئی۔ اور آؤ دیکھنا نہ تاؤ کاغذ پنسل اٹھا، تک بندی شروع کر دی۔ پھر کیا تھا اوروں کو شگوفہ مل گیا، جس نے سناہنس دیا۔ میرے سر پر ایسا بھوت سوار ہوا نہ تھا جو معمولی سی ہنسی ٹھٹھے میں اتر جاتا۔ نہ سوت کا صدمہ نہ خانہ داری سے دست برداری

کا رنج۔ کاغذ پینسل اور میں۔ اسی زمانے میں پیر و مرشد جناب مولانا حضرت شاہ مرشد علی صاحب جیلانی و بغدادی قدس سرہ کے ہاتھوں مرید ہوئی۔ مرشد کی توجہ میرے حال پر کچھ ایسی ہوئی کہ غزلوں کا لکھنا آسان کام نظر آنے لگا۔ بقول شخصے

بادل سے چلے آتے ہیں مضمون مرے آگے

اللہ کی کبریائی کے صدقے، اب وہی حضرات جو ہماری تک بندی پر ہنستے تھے، غزلوں کو چشم حیرت دیکھتے اور کچھ تعریفیں کرنے لگے۔ نہ (میں) بحرِ رمل سے واقف نہ بحرِ جز سے پھر یہ کس چیز کی داد دیتے ہیں۔ فاعلات فاعلات تو میں اس وقت تک نہیں جانتی تھی۔ غرض میری شاعری کو امداد الہی یا فیضانِ قادر یہ عالیہ یا کرامتِ مرشدی سمجھنے یا جو جی چاہے۔ آج تک میرا یہ حال ہے کہ اپنے بعض شعروں پر آپ متعجب و حیرت زدہ ہو جاتی ہوں۔ بعض شعر ہماری لیاقت سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ یہ شعر لکھنے کے بعد میں خود نہ سمجھ سکی کہ کیا کہہ گئی۔

نام تمہارا غوث ہے جد ہے شفیقِ مذنبیں

رب کو کہیں گے نعت تم کو کہیں گے نستعین

دوسرا شعر یہ ہے جس کو میں تو کیا سمجھتی۔ مرحوم حضرت داغ دہلوی نے اس پر ہفتوں سراما۔

آخر ہمارے شوہر نے چار ورق میں اس کی تشریح لکھ کر داغ مرحوم کو بھیج دی۔

یکتائی رب اور ظہورِ رسولِ پاک

نقشہ دکھا رہے ہیں الف لام میم کا ۲

جمیلہ ایک قادر الکلام شاعرہ تھیں۔ ان کے کلام میں حمد، نعت، منقبت، قصیدے، رباعیات اور مثنوی کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ مگر سب سے زیادہ اشعار مذکورہ تین بزرگانِ دین کے حوالے سے ہیں۔ صرف ایک دیوان 'نغمہ دلِ ریش، جمیلہ درویش' مرتبہ شفیق مشہدی جو ۳۰۶ غزلوں پر مشتمل ہے، نگاہوں میں رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بیشتر حصے میں نعت، حمد اور منقبت کے اشعار ہیں۔ بالخصوص غوثِ اعظم علیہ الرحمہ اور اپنے مرشد کا ذکر وہاں نہ عقیدت سے کرتی ہیں۔ مثلاً

چشمہ فیضِ جمالی کا وہ سمجھ لے اس کو

اس گنہگار جمیلہ کا جو دیواں پائے

آبرو دی جمال نے ہم کو
ورنہ مشمت غبار تھے صاحب

تو جو خاک کوئے جمال ہے، یہ جمیلہ تیرا کمال ہے
نہ ہو کیوں بڑا ترا مرتبہ، ترا پیر صاحب حال ہے

نقش پاغوث کی ہوں خاکِ درحیدر ہوں
دے گی لبیک کی تربت بھی صدا میرے بعد
خاتون میں کجا و کجا شعر و شاعری
جو کچھ ہوا وہ شاہ کی امداد سے ہوا

عشق و غوث اور عقیدتِ پیر و مرشد میں ڈوبے ہوئے چندا شعرا اس طرح کے بھی دیکھیے
روئی جو عاشق شہ جیلاں تو آنکھ سے
آنسو ٹپک کے گوہر شہوار ہو گیا

ناز ہے تجھ پہ جو کہتی ہے زمین بغداد
نقش نعلین سے اقبال ہمارا چمکا

مسیحانہ ہوتے اگر غوثِ اعظم
تو میں بھی قسم ہے نہ بیمار ہوتا

خدا کے واسطے اے غوث تو دکھا چہرہ
کہ سانس لینا بھی اب جھکونا گوار ہوا

فراق غوث میں ان دیدہ گلگوں سے مرے
لعل بنتا ہے کوئی اشک تو دردانہ کوئی

اولیاء کرام کی بے پناہ عقیدت نے انہیں یہ کہنے پر اگر چہ مجبور کر دیا کہ ۔

جس کا استاد علی اور مددگار ہو پیر

اس کے شاگرد کو امداد کی حاجت کیا ہے

مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے شاد عظیم آبادی کی شاگردی اختیار کی اور داغ دہلوی سے بھی مشورہ سخن کیا۔ جمیلہ نے شاد عظیم

آبادی سے شرف تلمذ کا اعتراف کرتے ہوئے شاد کی مدح میں ایک مکمل قصیدہ بھی لکھا ہے جس کا مطلع اور مقطع یوں ہے

اے شاد شک نہیں کہ استاد فن ہے تو

اور عند لب گلشن شعر و سخن ہے تو

کیا اے جمیلہ مدح کرے گی تو شاد کی

تجھ میں کہاں مجال کہ بستہ دہن ہے تو

جمیلہ کلاسیکی طرز اظہار کی شاعرہ ہیں اور اپنی شاعری میں کلاسیکی روایات کی پاسداری کا پورا پورا خیال رکھتی ہیں۔ ان کے کلام میں

موجود شعری کیف سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر اشعار رواں اور گہری معنویت سے بہرہ ور نظر آتے ہیں، جن میں وجدانی پہلو

بہت نمایاں ہے۔ مثلاً ۔

افسوس تم نے رخ نہ دکھایا کسی طرح

ارمان دید طالب دیدار لے گیا

کون کہتا ہے کہ مچنوں دشت میں عریاں رہا
تاریخ راہن نہ تھا پر آنسوؤں کا تار تھا

بسمل بنا کے اپنا جاتے ہو تم کدھر کو
مڑ کر تو قص دیکھو تم اپنے نیم جاں کا

زلف پر خم کی طرح مجھ سے ہے الجھی قسمت
شانہ بن کر کے سکھا دے مجھے سلجھانا کوئی

ہے اپنی قسمت کی نارسائی سزا محبت کی خوب پائی
مری پٹک کرز میں پہ سر کو ہوانہ اس پر بھی یار اپنا

رہ گیا آخر دل بیتاب بن کر نقش پا
کوچہ معشوق وہ یہ طالب جانانہ تھا

چاندنی رات میں بیٹھے ہیں وہ آکر لب بام
کاش دیدہ مجھے اختر کا بنایا ہوتا

بیتابیاں تھیں خوف تھا اور اضطراب تھا
تم جو ملے عرق سے بدن آب آب تھا

دست موسیٰ پہ پڑی روز ازل تیری نظر
جس کے باعث ید بیضا کا ستارا چمکا

لیلیٰ نے فصد لی تو بہا خون قیس کا
کیا یہ بھی کام نشتر فساد سے ہوا

اے غم یار اسے تو نے ستایا ہوگا
کل جو پہلو سے تڑپ کر دل ناداں نکلا

حیرت سے لوگ دیکھتے ہیں تجھ کو صبح و شام
آئینہ تو بھی ہو گیا رخسار یار کیا

بھولے سے کبھی آمرے یوسف تو ادھر کو
میں مثل زلیخا کے طلبگار ہوں تیرا

دیکھ اس گل کی کلائی مرے دل نے یہ کہا
اس کے ہاتھوں سے لپٹ جائیں گے لنگن بن کر

زرگس شہلانہ ہوتی آج محتاج عصا
ہو گئی ہے بے بصر وہ چشم دلبر دیکھ کر

جمیلہ کا عہد وہ ہے جب مسلم معاشرے اور اردو شاعری پر تصوف اور خانقاہوں کا بے حد اثر رہا ہے۔ جمیلہ کی شاعری پر

بھی مرشد سے ان کی عقیدت اور متصوفانہ طرز فکر کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے اور تقریباً ہر غزل میں صوفیانہ نوعیت کے اشعار مل جاتے ہیں۔ ان میں تصوف کے نکات تو ہیں ہی، عرفان و آگہی کا ایک کیف بھی نمایاں ہے۔ تصوف کی پوری عمارت عشق و محبت پر قائم ہے۔ عشق کا معبد حسن ہے۔ حُسن جتنا کامل تر ہوگا اسی قدر اس کی کشش بھی ہوگی، اور حسن کامل تو صرف شاہد حقیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب یہ صورت حال ہو تو عشق میں بد مستی و بوالہوسی کے بجائے احترام و سلیقہ اور ادب و خلوص کی پابندی ہو جاتی ہے اور اس کی پابندی کی بدولت ایک طرف پاکیزہ خیالات، شرافت، تہذیب اور سنجیدگی پرورش پاتی ہے اور دوسری طرف قلب و روح کے پیمانے سوز و گداز کی مئے سر جوش سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ جمیلہ کی شاعری کا تمام تر ذخیرہ اسی عشق کی داستان سے بھرا ہوا ہے۔ غزل کے یہ اشعار دیکھیے۔

شراب عشق کے پینے کا بندوبست ہے یہ
صراحی دل کو کریں چشم کو سبو کر لیں

عاشق ناشاد تھا محراب کعبہ جھک گیا
ابروؤں کی مدح میں جب ہم قلم لینے لگے

ہے کون سے عیسیٰ کا گزر آج چمن میں
زگس جو عصا تھام کے اٹھتی نظر آئی

بہتر تھی خلد سے مرے دلدار کی لگی
وحشت نے لا کے چھوڑ دیا ہے کہاں مجھے

حضرت دل عشق کی منزل بہت دشوار ہے
قیس وحشی بھی ابھی تک پہلی ہی منزل میں ہے

جمیلہ کی شاعری بازاروں، میلوں ٹھیلوں، کوٹھوں اور بالا خانوں اور یار دوستوں کی صحبت میں پل کر جوان نہیں ہوئی۔ اُن کی شاعری کے رگ و پے میں بزرگوں کے نورانی قلوب کی بجلیاں دوڑی ہوئی ہیں، جو ہزاروں پردوں کے اندر اپنی تابانی دکھا دیتی ہے۔

آہ و فغان و نالہ نے کیا گل کھلا دیا
چرچا ہے میرے عشق کا گھر گھر تمام رات

تڑپا ہے درد ہجر سے اے غیرتِ قمر
مانند برق یہ دلِ مضطر تمام شب

جو ایک تار بھی اُس زلفِ مشک بو سے ملے
تو اپنے اس دلِ صدچاک کو فو کر لیں

دھونی رما کے بیٹھیں گے تربت پہ شاہ کی
کعبہ پہ جائیں گے نہ کلیسا کو جائیں گے

جوش جنوں نے پردہ دوری اٹھا دیا
اس حوروش کا چہرہ زیبا دکھا دیا

عشاق دل برشتہ کی ہوتی ہے تلخ بات
جوں جوں زیادہ آنچ لگے ہو گلاب تلخ

ہونے لگے غیروں پہ کرم اور زیادہ

ہاں میرے لئے مشق ستم اور زیادہ

غزال دشت کا پہلے گا جی بھلا کیوں کر

کہ اب تو دشت میں وہ قیس خستہ جاں نہ رہا

جمیلہ کے کلام میں تصوف کے رموز کی جھلکیاں واضح صورت میں ہیں، جوان کی شاعری کو سطحیت، ابتذال اور سطحی خارجیت سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ جمیلہ کی شاعری حرکت و عمل کے ساتھ اعلیٰ انسانی اقدار کی پاسداری بھی کرتی ہے۔ شاید اسی لیے وہ ایک سچے صوفی اور عاشق کی زبان سے کہتی ہیں۔

نارِ سقر جلانے گی دل کو ہمارے کیا

کندہ ہے اس پہ نام جناب امیر کا

چھیڑو نہ طیبو مجھے بس یاں سے سدھارو

محتاج نہیں عاشق جانباز دوا کا

نہ منہ پھیریں گے ہرگز بھول کر راہِ محبت سے

مرے ناصح اگر اس راہ میں سر بھی جدا ہوگا

مدت سے وہ ہے طالب دیدار آپ کا

خاتون کو روئے پاک دکھایا نہ جائے گا؟

نہ کرو ناز حسن یوسف پر

دیکھ لو میرے شاہ کی تصویر

گر بر سنا دیکھ لو عشاق کی آنکھوں کا تم
پھر نہیں دیکھو گے ساقی ابر باراں کی طرف

جمیلہ کا عشق، عشق صادق ہے، اس لیے وہ نہ صرف کھل کر اپنے عشق کا اظہار کرتی ہیں بلکہ اسے اپنی نجات کا ذریعہ بھی گردانتی ہیں۔ انہیں اپنے عشق پر بھرپور اعتماد ہے اور یہی اعتماد ان کے لہجے میں بے باکی، قوت اور بلند تیور عطا کرتا ہے۔ غزل کے ان اشعار میں وہ تیور ملاحظہ کیجئے۔

قدموں پہ ترے عاشق جاں اپنی لٹادیں گے
اک دن یہ تماشا بھی ہم تجھ کو دکھادیں گے

اس آتش الفت کے شعلوں کو دکھا کر ہم
دم بھر میں شرر سارے دوزخ کی بجھادیں گے

اُس نام کے صدقے میں سائل ترے قدموں پر
یہ جان لٹادیں گے، ایمان لٹادیں گے

گھیرے گی جہنم کیا خاتون بھلا مجھ کو
ہم امت نبوی ہیں، اندھیر مچادیں گے

جمیلہ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہے اور وہ ان سے کھیلنے کا فن بھی جانتی ہیں۔ رعایت لفظی اور تکرار الفاظ سے انہوں نے بڑے گل کھلائے ہیں۔ چند اشعار دیکھئے

بے کلی بڑھ گئی ایسی کہ کل آئی نہ مجھے
یا دکل آئی جو اُس بت کی کلائی مجھ کو

بلبل بے تاب سائے دل نہ کر آہ و فغاں
دیکھ جا کر بوئے گل بھی اس کے در کے گل میں ہے

عجب نازک دماغی یار میں ہے کیا کروں اے دل
جواب اپنے سلاموں کا مجھے اُس گل کی گالی ہے

ہو ایہ گل کے کائنات تیری فرقت میں شہ عالم
اگر تو بدرتا باں ہے تو شیدا بھی ہلائی ہے

دیا کرتے ہیں نسبت دل کو بیت اللہ سے شاعر
جمیلہ بت کہاں سے آگیا اللہ کے گھر میں

جمیلہ نے اپنے اشعار میں حسین اور دلکش محاوروں کا استعمال بھی فن کاری کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے برجستہ محاورے علامتی اور رمزی حسن و کیف کے حامل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ محاوروں سے شعر میں روانی، برجستگی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ جمیلہ کے محاورے بھی شعر کی نزاکت، برجستگی اور بے ساختگی کو مجروح نہیں کرتے بلکہ اس میں دل فریب اور سحر آگیں رعنائی کی فضا قائم کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے۔

اب در سے ترے نہ جائیں گے ہم
دھونی تو یہیں رمائیں گے ہم

نہیں حضرت عشق نے گر لگائی
تو یہ آگ کس کی لگائی ہوئی ہے

مجنوں کی طرح خاک اڑائیں گے جہاں کی
آہو کو ہر اک دشت کے ہم رام کریں گے

بنی جس کی آنکھوں کی بیمار زنگس
وہ اک صید وحشی سے کیا رام ہوگا
شیخ و برہمن، مومن و زاہد اور کعبہ و بت خانہ کلاسیکی شاعری کے مقبول و معروف تلازمات رہے ہیں۔ جمیلہ کی شاعری میں بھی ان کا
استعمال بڑی خوبصورتی سے ملتا ہے۔ جیسے یہ دیکھیے۔

مندر بنیادل کو برہمن کے واسطے
مومن کے واسطے اسے مسجد بنا دیا

زنار برہمن مجھے دیتا ہے کس لیے
سرہم سے بتکدہ میں جھکایا نہ جائے گا

برہمن مجھ کو بنا کر دل ہوا ہے ناخدا
مجھ کو ہندو کر دیا اور خود مسلمان ہو گیا

پڑھا کلمہ بتوں نے روئے زیبا دیکھ حضرت کا
برہمن زیر مسجد توڑ کر زنار بیٹھے ہیں

جمیلہ کی غزلوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شاعری میں تغزل اور ترنم کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ انہوں نے اکثر و بیشتر ایسی
بحروں کا انتخاب کیا ہے جن میں شعریت اور موسیقیت خود بخود پیدا ہو جاتی اور شاعرہ کا ذوق جمال اس کی غنائیت سے کلام میں
فطری بہاؤ اور آمد کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً ان کی مختلف غزلوں کے یہ اشعار دیکھیے۔

رہی آج تک جسے بے کلی کسی دم نہیں جسے کل ملی
وہی تیرا عاشق زار تھا جسے غم نے پارہ بنا دیا

دکھا کے آنکھیں بدل کے چتون چڑھا کے بھنوں منہ بنا کے بیٹھے
خدا ہی حافظ ہے قتل عاشق کا آج بیڑا اٹھا کے بیٹھے

کسی ماہوش نے جو خواب میں مجھے جلوہ اپنا دکھا دیا
وہیں آ کے لشکرِ حسن نے مرے دل کو مجھ سے چھڑا دیا

جمیلہ کی شاعری میں سادگی و پرکاری ہے اور حسن و دلکشی بھی۔ اس کی خاص وجہ ایک تو خود ان کی درویشانہ زندگی تھی اور دوسرے اس عہد کی سادہ لوحی۔ فکر و عمل اور احساس و شعور کے لحاظ سے جمیلہ اپنی قابلیت اور فہم و ادراک کے ساتھ ساتھ اپنے ہم عصر شعرا سے بھی بہت متاثر تھیں۔ علاوہ ازیں ان کے سامنے میر، غالب، درد، سودا، راسخ، اور شاد کے کلام بھی موجود تھے، جن کا نہ صرف انہوں نے مطالعہ کیا تھا بلکہ ان کی زمین میں کلام کہنے کی کوشش بھی کی تھی۔ صرف ایک دیوان میں ان کی کئی غزلیں ایسی ملتی ہیں جو معروف کلاسیکی شعرا کی زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ یہ زمینیں اتنی واضح ہیں کہ مجھے شعراء کرام کے نام اور ان کے اشعار بتانے کی قطعی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ آپ بھی دیکھیے۔

اس سے مت پوچھو پتہ دلدار کا
میزباں ہو جس کا تلوہ خار کا

بارالفت اپنے سر پر دھر چلے
اے فراقِ غوث ہم تو مر چلے

موت ہی صبح و شام کرتی ہے

زندگی یوں تمام کرتی ہے

کیا شے ہے یہ کعبہ یہ کلیسا مرے آگے
ہیں دونوں جہاں کھیل تماشا مرے آگے

نہ کر اٹھکیلیاں باد بہاری ہم سے تو ہرگز
فراق غوث میں ہم جان سے بیزار بیٹھے ہیں

یوں تو اس نے ادھر ادھر دیکھا
میری جانب نہ بھرنظر دیکھا

کیا عجب ہے کہ لب بام ہے وہ آئینہ رو
اس کے کوچے سے جو نکلا ہے وہ حیراں نکلا

جمیلہ کو کلاسیکی شعرا کے مطالعے اور اپنی قدرت زبان و بیان پر بھرپور اعتماد ہے، اس لیے وہ اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنی شاعرانہ انفرادیت اور کمال گویائی کا اظہار بار بار کرتی ہیں۔ ان اشعار کو شاعرانہ تعلیٰ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے مگر غور کیا جائے تو ان میں ہی شاعرہ کے تنقیدی شعور کی جھلک بھی ملتی ہے۔

جمیلہ نامہ اعمال ہے دیوان یہ میرا
وضو کر کے فرشتے میرے اس دفتر کو کھولیں گے

سو جاں سے ہم جمیلہ استاد کہیں تم کو
گرا ایسے ہی مضمون تم اللہ غنی باندھو

آساں نہیں تصوف ہر شخص جس کو جانے
میری غزل وہ سمجھے جو کوئی نکتہ داں ہو

شکر خدا کہ آج جو استاد عصر ہیں
حیرت زدہ ہیں دیکھ کے میرے کلام کو

ہوں جمیلہ وہ سخنور کہ بقول راسخ
شاہ اقلیم معانی ہوئے ہم میر کی طرح
ائے جمیلہ جانشین میر کہلاتی ہو تم
شاعری کی ہو گئی شہرت تمہاری ان دنوں

ہم ردیفوں کا ابھی قافیہ خاتون ہے تنگ
ہوگا مطبوع مرا طرزِ بیاں میرے بعد

جمیلہ کے تعلق پر مشتمل اشعار سے قطع نظر دیوان جمیلہ کے غیر جانبدارانہ مطالعہ سے ہمارے سامنے ایک خداداد صلاحیت کی شاعرہ کی تصویر ابھرتی ہے، جس کے اشعار میں شاعرانہ محاسن کی خوبصورت مثالیں موجود ہیں۔ تصوف اور عقیدت پر مبنی اشعار کی کثرت کے باوجود سینکڑوں غزلیں اعلیٰ درجہ کی شاعری کی صف میں رکھی جاسکتی ہیں۔ کلاسیکی شاعری کی پاسداری کرتے ہوئے جمیلہ خدا بخش نے اپنے احساسات و مشاہدات کو جو شعری پیکر عطا کیا ہے وہ قابل تحسین ہے اور ناقدین شعر و ادب سے سنجیدہ مطالعے کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر سچائی یہ ہے کہ آٹھ دو اوین پر مشتمل پانچ ہزار اشعار سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ضرورت ہے کہ خدا بخش لائبریری ان کے کلام کا ایک جامع انتخاب شائع کرے تاکہ ارباب علم و ادب اس کی جانب سنجیدگی سے متوجہ ہوں۔

حوالہ جات:

- ۱- تاریخ ادب اردو جلد اول - ص ۴۲۹
- ۲- نعمہ دل ریش، جمیلہ درویش مرتبہ شفیق مشہدی - ص ۱۸-۱۹
- ☆☆☆

رابطہ:

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی

پی۔ جی۔ شعبہ اردو

پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ ۸۰۰۰۰۵

shahabzafar.azmi@gmail.com

Mob;- 8863968168